Research Journal
Tahqeeqat
جلد:4،شمارہ:4،2025ء
eISSN: 2791-0342
pISSN: 2791-0334
ریسرچ جرنل
تحقیقات

اداجعفری کی شاعری میں روایت اور جدیدیت کا سنگم

The intersection of tradition and modernity in Ada Jafri's poetry

Umair Nazeer
M.Phil Urdu Scholar Superior University, Faisalabad
(Corresponding Author)
umairnazeer364@gmail.com

عمیر نذیر
ایم۔فل اردو اسکالر سپیریئر یونیورسٹی، فیصل آباد

Dr. Mubshar Saeed Bajwa
Assistant Professor Department of Urdu,
Superior University Faisalabad
mubashar.saeed.fsd@superior.edu.pk

ڈاکٹر مبشر سعید باجوہ
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو سپیریئر یونیورسٹی، فیصل آباد

Abstract

This research article provides a comprehensive critical analysis of the poetic journey of Ada Jafri, widely acclaimed as the "First Lady of Urdu Poetry." It explores the unique creative synthesis in her work, where the grace of classical traditions intersects with the complexities of modern sensitivity. Unlike previous eras where the female voice remained largely subservient to male-centric tropes, Ada Jafri introduced a distinct feminine perspective that upheld Eastern cultural decorum while asserting intellectual autonomy and self-discovery. The study delves into key thematic dimensions of her poetry, including her portrayal of internal anguish in "Shehr-e-Dard" (City of Pain), her dignified protest against societal constraints, and the existential awareness reflected in her autobiography, "Jo Rahi So Be-Khabari Rahi." Through a qualitative analysis of her Ghazals and Nazms, the article demonstrates how she transitioned the female figure from a passive poetic object to an active, self-determining subject. The study concludes that Ada Jafri's work serves as a foundational bridge in Urdu literature, proving that feminine agency can be powerfully expressed within the framework of cultural values. Her legacy remains a vital testament to the evolution of the modern female identity in the South Asian literary landscape.

Keywords: *Ada Jafri, Urdu Poetry, Tradition and Modernity, Feminine Consciousness, Self-Discovery, Pakistani Literature, Khatoon-e-Awwal, Existential Awareness, Modern Urdu Nazm, Cultural Decorum*

کلیدی الفاظ: ادا جعفری، اردو شاعری، روایت اور جدّت، نسائی شعور، خود شناسی، پاکستانی ادب، خاتونِ اوّل، وجودی شعور، جدید اردو نظم، تہذیبی شائستگی

OPEN ACCESS
HEC
DRJI
INTERNATIONAL STANDARD SERIAL NUMBER INTERNATIONAL CENTRE
اشاریہ اردو جرائد
EuroPub

اردو شعری روایت کی تاریخ اگرچہ صدیوں پر محیط ہے، لیکن ایک طویل عرصے تک اس میں نسائی آواز کی عدم موجودگی یا اس کا مردانہ لب و لہجے کے تابع ہونا ایک ایسی حقیقت رہی ہے جس نے عورت کے حقیقی جذبات کو پردۂ اخفا میں رکھا۔ بیسویں صدی کی وسطی دہائیوں میں ادا جعفری وہ پہلی معتبر اور توانا آواز بن کر ابھریں جنہوں نے غزل کی روایتی جمالیات کو برقرار رکھتے ہوئے اسے ایک ایسی فکری اور جذباتی گہرائی عطا کی جو خالصتاً ایک عورت کے مخصوص طرزِ احساس کی عکاس تھی۔ ان کا تخلیقی سفر محض الفاظ کی فنکارانہ ترتیب نہیں بلکہ اس عہد کی مشرقی عورت کے اس فکری ارتقاء کا آئینہ دار ہے جہاں وہ اپنی ذات، سماج اور کائنات کو مردانہ نظر سے دیکھنے کے بجائے اپنے الگ اور منفرد زاویہ نگاہ سے پرکھنے کی جرات کرتی ہے۔ ادا جعفری نے اردو شاعری کو وہ لہجہ دیا جس میں مشرقی تہذیب کی حیا اور جدید دور کی آگہی ایک دوسرے میں مدغم نظر آتی ہیں۔ ادا جعفری کے فن کا طرۂ امتیاز روایت اور جدیدیت کا وہ حسین سنگم ہے جو ان کے کلام کو ایک خاص تمکنت، متانت اور تہذیبی وقار عطا کرتا ہے۔ انہوں نے جہاں کلاسیکی اسالیب اور مشرقی آدابِ سخن کی مکمل پاسداری کی، وہیں جدید دور کی پیچیدہ نفسیاتی الجھنوں اور وجودی حقیقتوں کو بھی اپنی نظم و غزل کا مرکز بنایا۔ "خاتونِ اول" کے منصب پر فائز ہونے کے ناطے، ان کی شاعری محض ہجر و وصال کی داستان نہیں بلکہ نسائی خود شناسی، انفرادی آزادی اور موروثی دکھوں کے خلاف ایک ایسی باوقار مزاحمت کا اعلامیہ ہے جس نے آنے والی نسلوں کی شاعرات کے لیے اظہار کی نئی راہیں ہموار کیں۔ زیرِ نظر آرٹیکل ادا جعفری کے اسی دوطرفہ شعری رویے کا علمی و تنقیدی جائزہ پیش کرتا ہے جہاں وہ اپنی تہذیبی جڑوں سے پیوست رہ کر بھی ایک جدید، خود مختار اور بیدار مغز فکر کی نمائندگی کرتی نظر آتی ہیں۔

اردو ادب کی تاریخ میں ادا جعفری کی شخصیت ایک ایسے روشن مینار کی مانند ہے جس نے نسائی شاعری کو روایتی مصلحتوں اور خاموشی کے حصار سے نکال کر ایک باوقار اور توانا لہجہ عطا کیا۔ بیسویں صدی کے وسطی عشروں میں جب خواتین کے لیے شعری میدان میں اپنی شناخت بنانا ایک کٹھن مرحلہ تھا، ادا جعفری نے

اپنی غیر معمولی تخلیقی صلاحیتوں کے ذریعے نہ صرف صنفِ نازک کے جذبات کو زبان دی بلکہ اردو شاعری کے افق پر ایک ایسا مقام حاصل کیا جو ان سے پہلے کسی خاتون شاعرہ کے حصے میں نہیں آیا تھا۔ ان کا ادبی قد و قامت اس حقیقت سے عیاں ہے کہ انھیں بلا مبالغہ جدید اردو شاعری کی "خاتونِ اول" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ لقب محض ایک اعزاز نہیں بلکہ ان کی اس تاریخی خدمت کا اعتراف ہے جس کے ذریعے انھوں نے آنے والی نسلوں کی شاعرات کے لیے ایک ہموار راستہ تیار کیا۔

ادا جعفری کا سفر 1924ء میں بدایوں سے شروع ہوا، جہاں وہ عزیز جہاں کے نام سے پیدا ہوئیں۔ محض تیرہ برس کی عمر میں جب لڑکیاں گڑیوں سے کھیلتی ہیں، انھوں نے "ادا بدایونی" کے قلمی نام سے سخنوری کی دنیا میں قدم رکھا۔ تقسیمِ ہند اور قیامِ پاکستان کے بعد ان کی شادی نور الحسن جعفری سے ہوئی، جس کے بعد وہ "ادا جعفری" کے نام سے ادبی منظر نامے پر ابھریں۔ ان کی شاعری میں کلاسیکی رچاؤ اور جدید دور کے تغیرات کا ایک ایسا حسین امتزاج پایا جاتا ہے جو ان کے کلام کو ہم عصر شاعرات سے ممتاز کرتا ہے۔ انھوں نے غزل کی صنف میں رہتے ہوئے بھی نسائی حساسیت کو جس نفاست اور تہذیبی شائستگی کے ساتھ پیش کیا، وہ اردو ادب کا ایک بیش بہا اثاثہ ہے۔ ان اردو شاعری کی خاتونِ اول مانا جاتا ہے جس کے بارے میں ڈاکٹر ثمینہ تابش کچھ یوں رقم طراز ہیں:

> "ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ ادا جعفری کو اردو شاعری کی خاتون اول قرار دینے سے اختلاف کریں۔ اس لیے کہ اردو شاعری مُں ادا جعفری کا نام پہلا نہیں ہے بلکہ شعر و سخن کی قدیم و جدید تاریخ میں سینکڑوں شاعرات کے نام ملتے ہیں، لیکن حقیقی معنوں میں یہ لقب ادا جعفری پر ہی سجتا تھا۔"(1)

ان کی ادبی خدمات کا دائرہ صرف غزل تک محدود نہیں رہا، بلکہ انھوں نے نظم اور نثری صنف میں بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ ان کے شعری مجموعے جیسے 'شہرِ درد'، 'غزالاں تم تو واقف ہو' اور 'حرفِ شناسائی' اردو شاعری کی کلاسیک کا درجہ رکھتے ہیں۔ خاص طور پر ان کی خود نوشت سوانح عمری "جو رہی سو بے خبری رہی" نسائی شعور کی ایک اہم تاریخی دستاویز تصور کی جاتی ہے۔ حکومتِ پاکستان نے ان کی علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں آدم جی ایوارڈ، تمغۂ امتیاز اور کمالِ فن ایوارڈ ایسے اعلیٰ ترین اعزازات سے نوازا۔ ادا جعفری کی رحلت کے بعد بھی ان کی آواز اردو نظم و غزل کے ایوانوں میں ایک ایسی معتبر گونج بن کر محفوظ ہے جو عورت کے مقام اور اس کی فکری بلندی کی گواہی دیتی رہے گی۔

ادا جعفری کی شاعری کا ایک امتیازی وصف وہ کلاسیکی رچاؤ اور تہذیبی رکھ رکھاؤ ہے جو ان کے کلام کو ایک خاص تمکنت اور متانت عطا کرتا ہے۔ انھوں نے اردو غزل کی صدیوں پرانی روایت کو نہ صرف اپنایا بلکہ اسے نسائی لب و لہجے کی شائستگی سے جِلا بخشی۔ ان کے ہاں الفاظ کا انتخاب اور خیالات کی پیش کش مشرقی آدابِ سخن کے عین مطابق ہے، جہاں جذبات کا اظہار عریاں ہونے کے بجائے حیا، حجاب اور وقار کے دبیز پردوں میں لپٹا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یہ وہی شائستگی ہے جو ان کے کلام میں ایک خاص دلآویزی پیدا کرتی ہے، جس کے باعث وہ روایتی پیرایوں میں رہتے ہوئے بھی اپنے عہد کی منفرد آواز بن کر ابھریں۔

ادا جعفری کے ہاں مشرقی روایات کی پاسداری محض ایک سماجی مصلحت نہیں بلکہ ان کے تخلیقی وجدان کا ایک لازمی جزو ہے۔ وہ محبوب سے مخاطب ہوتے ہوئے یا ہجر کے دکھ بیان کرتے ہوئے بھی ان تہذیبی حدود کو ملحوظِ خاطر رکھتی ہیں جو برصغیر کے مسلم معاشرے کا خاصہ رہی ہیں۔ ان کی شاعری میں "حنا"، "مژگاں"، "چراغ" اور "وفا" جیسے روایتی استعارے محض لفاظی نہیں بلکہ ایک ایسی باوقار عورت کے

جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں جو اپنی جڑوں سے کٹ کر نہیں بلکہ ان کے اندر رہتے ہوئے اپنی شناخت قائم کرتی ہے۔ ان کی غزل کا یہ شعر اس کلاسیکی شائستگی اور مشرقی جمالیات کی بہترین مثال پیش کرتا ہے:

فرقت میں ابھی رنگِ حنا تک نہیں جلتا
مژگاں پہ سرِ شام دیا تک نہیں جلتا(2)

ان کا ادبی اسلوب اس حقیقت کا عکاس ہے کہ ایک فنکار اپنی تہذیب کے دائرے میں رہ کر بھی کس طرح آفاقی سچائیوں کو بیان کر سکتا ہے۔ ادا جعفری نے اردو غزل کو وہ نرمی اور لطافت عطا کی جو صرف ایک عورت کے مخصوص طرزِ احساس سے ہی ممکن تھی۔ ان کی شاعری میں جہاں میرؔ و غالبؔ کی فنی پختگی کی بازگشت سنائی دیتی ہے، وہیں ایک ایسی مشرقی خاتون کا حساس دل بھی دھڑکتا ہے جو رشتوں کی حرمت اور کلام کی تاثیر کو مقدم رکھتی ہے۔ یہی وہ مشرقی آدابِ سخن ہیں جنھوں نے ادا جعفری کے کلام کو اردو کے شعری منظرنامے میں ایک دائمی اعتبار عطا کیا ہے، جہاں جدیدیت روایت سے متصادم ہونے کے بجائے اس کے حسن میں اضافے کا سبب بنتی ہے۔

ادا جعفری کا کلام نسائی وجود کی محض ظاہری سطح کا بیان نہیں، بلکہ یہ ایک ایسی فکری بیداری کا مظہر ہے جس میں عورت اپنی ذات کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر کر اپنی شناخت تلاش کرتی ہے۔ ان کے ہاں 'خود شناسی' کا تصور ایک ایسے شعوری سفر سے عبارت ہے جہاں عورت خود کو محض ایک سماجی اکائی یا کسی کے حوالے سے پہچانے جانے والے وجود کے بجائے، ایک آزاد اور صاحبِ ارادہ ہستی کے طور پر دریافت کرتی ہے۔ یہ سفر جذباتی وابستگیوں سے شروع ہو کر وجودی ادراک پر ختم ہوتا ہے۔ ادا جعفری نے اپنی شاعری میں اس 'عورت' کو مرکزیت دی ہے جو اپنے جذبات، خواہشات اور باطنی تضادات کا گہرا شعور رکھتی ہے اور ان پر اختیار پانے کی سعی کرتی ہے۔ ان کے نزدیک خود شناسی کا یہ عمل دراصل اپنی داخلی کائنات کو تسخیر کرنے کا

نام ہے، جہاں وہ اپنی ذات کے گمشدہ گوشوں کی بازیافت کرتی ہیں۔ اس وجودی آگہی اور خود شناسی کے کرب کو انھوں نے اپنی نظم میں یوں پیش کیا ہے:

مدُھر، من موہنی
گہری، رسیلی نیند کے جھونکے
بڑی دل خواہ نعمت تھے
مگر بیدار ہونے پر
عجب احساس بھی جاگا کہ اس جادو کی نگری میں
ہم اپنے آپ کو کھو کر چلے آئے!(3)

خود مختاری کا یہی احساس ادا جعفری کے ہاں 'بغاوت' کے روایتی شور و غل کے بجائے ایک باوقار 'انکار' اور 'فیصلہ سازی' کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ ان کی شاعری میں جو نسائی کردار ابھرتا ہے، وہ اپنی تقدیر کا بوجھ خود اٹھانے کی سکت رکھتا ہے اور روایتی بندشوں کے درمیان رہتے ہوئے بھی اپنی فکری آزادی کا تحفظ کرتا ہے۔ ادا جعفری نے اس بات کو راسخ کیا ہے کہ عورت کی خود مختاری اس کے اپنے احساسات پر قابو پانے اور اپنی انفرادیت کو منوانے کی طاقت میں پوشیدہ ہے۔ وہ محض حالات کے دھارے پر بہنے والا مفعول نہیں، بلکہ ایک ایسی فاعلی قوت ہے جو ہجر و وصال کی کیفیتوں میں بھی اپنی 'خودی' کو مجروح ہونے نہیں دیتی۔ ان کے کلام میں عورت کی یہ جذباتی پختگی اور خود اعتمادی اسے ایک ایسی مضبوط شخصیت بنا دیتی ہے جو ہر حال میں زندگی کرنے کا فن جانتی ہے۔

ادا جعفری کی شاعری میں خود شناسی اور خود مختاری ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ ان کے ہاں عورت اپنی ذات کے ادراک سے وہ توانائی حاصل کرتی ہے جو اسے معاشرتی جبر کے سامنے ایک مستحکم اور باوقار وجود کے طور پر کھڑا کر دیتی ہے۔ یہ بیانیہ اردو شاعری میں اس تبدیلی کا عکاس ہے جہاں عورت اپنی شناخت کے لیے کسی بیرونی سہارے کی محتاج نہیں رہتی، بلکہ اپنے اندرونی شعور کی روشنی میں اپنی منزل کا تعین کرتی ہے۔ ادا جعفری نے نسائی خود مختاری کو جذباتی بلوغت اور فکری آزادی کا عنوان دے کر اردو نظم و غزل کو ایک نئی معنویت سے روشناس کرایا ہے۔

ادا جعفری کی تخلیقی کائنات میں 'درد' محض ایک عارضی کیفیت کا نام نہیں بلکہ یہ ایک ایسا مستقل شہر ہے جس کی فضاؤں میں عورت کی داخلی بے چینی اور جذباتی گہرائی سانس لیتی ہے۔ ان کا شعری مجموعہ 'شہرِ درد' اس حقیقت کا عکاس ہے کہ ایک حساس شاعرہ کے لیے کائنات کا ہر مظہر اس کے باطنی کرب کا آئینہ دار بن جاتا ہے۔ ادا جعفری نے نسائی محسوسات کو روایتی گریہ وزاری سے بلند کر کے ایک ایسی فکری صبوری عطا کی ہے جہاں دکھ محض شکایت نہیں رہتا بلکہ شخصیت کی تعمیر اور روحانی بالیدگی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ان کے ہاں جذبات کی شدت میں ایک انوکھا ٹھہراؤ ہے، جو قاری کو عورت کے اس باطنی اضطراب سے روشناس کراتا ہے جہاں وہ محبت کی تپش کو خود جھیل کر دوسروں کے لیے ٹھنڈک کا باعث بننا چاہتی ہے۔ ان کی یہ کیفیت ایثار اور خود سپردگی کے اس درجے پر ہے جہاں وہ اپنے دکھوں کو ایک ہنر کے طور پر تسلیم کرتی ہیں۔ ادا جعفری نے اس قلبی کیفیت کو ان الفاظ میں سمویا ہے:

خدا نکردہ مری آنچ تجھ تک آ پہنچے
تو خود حریمِ محبت، تو قبلہ گاہِ وفا
مجھے تو آتا ہے ہر رنگ زندگی کرنا(4)

ادا جعفری کے کلام میں موجود جذباتی گہرائی اس امر کی گواہی دیتی ہے کہ عورت کا داخلی کرب اس کی کمزوری نہیں بلکہ اس کی قوتِ مدافعت کا ثبوت ہے۔ وہ اپنی زندگی کے تلخ ترین تجربات، محرومیوں اور جذباتی تصادم کو ایک ایسی فنکارانہ مہارت سے بیان کرتی ہیں کہ وہ ایک فرد کا المیہ رہنے کے بجائے پوری انسانیت کا کرب بن جاتا ہے۔ ان کے نزدیک عورت کا بدن اور روح اس مشعل کی مانند ہیں جو خود سلگ کر رشتوں کے تقدس کو منور رکھتے ہیں۔ یہ جذبہِ قربانی ان کے کلام میں ایک خاص قسم کی دردمندی پیدا کرتا ہے، جو سطحی جذباتیت کے بجائے عمیق مشاہدے کی پیداوار ہے۔ ان کے اشعار میں پنہاں یہ کرب اس وقت اور بھی نمایاں ہو جاتا ہے جب وہ اپنے لہو کی سرخی سے وفا کے چراغ روشن کرتی ہیں، جس کا اظہار درج ذیل مصرعوں میں نہایت شدت سے ہوا ہے:

مرے لہو سے تری پور پور ہے زخمی

سلگ رہا تھا اسی اِک دیے سے مرا بدن (5)

یعنی ادا جعفری کا 'شہرِ درد' وہ مقام ہے جہاں عورت اپنے جذبات کی اتھاہ گہرائیوں میں غوطہ زن ہو کر اپنی ذات کا جوہر دریافت کرتی ہے۔ ان کی شاعری محض ہجر و وصال کی داستان نہیں بلکہ ایک ایسی جذباتی بصیرت ہے جو زندگی کے ہر رنگ کو قبول کرنے کا حوصلہ دیتی ہے۔ انھوں نے نسائی کرب کو ایک نئی جمالیاتی شکل عطا کی ہے، جس میں حزن و ملال کے باوجود ایک پُروقار استقامت جھلکتی ہے۔ یہی وہ جذباتی پختگی ہے جو ادا جعفری کو اردو شاعری کے افق پر ایک منفرد اور معتبر مقام عطا کرتی ہے، جہاں ان کی آواز عورت کے ان کہے دکھوں کی سب سے مستند ترجمان بن کر ابھرتی ہے۔

ادا جعفری کی شاعری میں احتجاج کا رنگ روایتی نعرہ بازی یا بلند آہنگی سے عبارت نہیں، بلکہ یہ ایک ایسی 'خاموش مزاحمت' ہے جو عورت کی داخلی استقامت اور فکری پختگی سے جنم لیتی ہے۔ جدید نسائی شعور کے

تناظر میں ان کا احتجاج اس وقت نمایاں ہوتا ہے جب وہ عورت کو محض تقدیر کے لکھے پر صابر و شاکر رہنے والی ہستی کے بجائے، اپنے خوابوں کی پاسبان کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ ان کے ہاں خوابوں کی شکست محض ایک جذباتی صدمہ نہیں بلکہ وہ مقام ہے جہاں سے عورت کی 'انا' اور 'خود شناسی' کا نیا سفر شروع ہوتا ہے۔ ادا جعفری نے اس تصور کو راسخ کیا کہ اگر حالات کی بے رحمی سے خوابوں کی مالا ٹوٹ بھی جائے، تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ عورت خاموشی کی اوڑھنی اوڑھ کر گوشہ نشین ہو جائے یا اپنی ہزیمت پر شرمسار ہو۔ ان کے نزدیک احتجاج کی اصل صورت یہ ہے کہ عورت اپنی آواز اور اپنی آنکھوں کی چمک کو برقرار رکھے، جو اس کی زندہ دلی کی سب سے بڑی گواہی ہے۔ خوابوں کی شکست پر پیدا ہونے والے اس جرات مندانہ نسائی رویے کو ادا جعفری نے اپنی نظم میں ان الفاظ کے ذریعے ایک لافانی احتجاج میں بدل دیا ہے:

تم نے ایسا کیوں سوچا تھا

خوابوں کی مالا ٹوٹی تو

خالی ہاتھوں لاج آئے گی

گونگی ہو جائیں گی آنکھیں

گیت سے خوشبو کترائے گی

رنگت پھیکی پڑ جائے گی (6)

یہ احتجاج دراصل اس پدرسرانہ ذہنیت کے خلاف ہے جو عورت کو ہر ناکامی پر 'مصلحت' اور 'خاموشی' کا درس دیتی ہے۔ ادا جعفری کا نسائی کردار سماجی رکاوٹوں اور جبر کے سامنے سر جھکانے سے انکار کرتا ہے۔ ان کے نزدیک عورت کی مزاحمت اس کے اس عزم میں پوشیدہ ہے کہ وہ زندگی کے ہر کٹھن موڑ پر، چاہے

حالات کتنے ہی ناساز گار کیوں نہ ہوں، اپنے جینے کے ڈھنگ پر سمجھوتہ نہیں کرے گی۔ وہ دکھوں کو اوڑھ کر بیٹھنے کے بجائے انھیں اپنی شخصیت کے نکھار کا ذریعہ بناتی ہے۔ ان کی شاعری یہ پیغام دیتی ہے کہ عورت کی اصل فتح اس کی اس صلاحیت میں ہے کہ وہ ہر رنگ میں زندگی کرنے کا ہنر جانتی ہو اور یہی وہ نکتہ ہے جو انھیں جدید نسائی احتجاج کی علمبردار شاعرات کی صف میں ممتاز کرتا ہے۔ ان کی داخلی استقامت کا اظہار اس شعر سے ہوتا ہے:

توخود حریمِ محبت، تو قبلہ گاہِ وفا

مجھے تو آتا ہے ہر رنگ زندگی کرنا(7)

ادا جعفری کی شاعری میں خوابوں کی شکستگی عورت کے حوصلے کو پست کرنے کے بجائے اسے ایک نئی 'آگہی' عطا کرتی ہے۔ ان کا احتجاج تہذیبی دائروں کے اندر رہتے ہوئے اپنی شناخت اور خود مختاری کے تحفظ کی ایک ایسی مثال ہے جہاں مزاحمت، شائستگی کے لبادے میں چھپی ہونے کے باوجود، اپنی تاثیر میں انتہائی کاٹ دار اور دوٹوک ہے۔ انھوں نے اردو شاعری کو یہ باور کرایا کہ عورت کا خواب دیکھنا اور ان خوابوں کے بکھرنے پر دوبارہ اٹھ کھڑے ہونا ہی دراصل اس کی سب سے بڑی طاقت ہے، جو اسے معاشرے کے فرسودہ اصولوں کے سامنے ایک ناقابلِ تسخیر وجود بنا دیتی ہے۔ ادا جعفری کی خودنوشت کا عنوان "جو رہی سو بے خبری رہی" محض ایک یادداشت نہیں بلکہ ان کی پوری زندگی کے فکری ارتقاء اور وجودی آگہی کا نچوڑ ہے۔ یہ عنوان اس نفسیاتی حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ زندگی کا ایک طویل حصہ ان سماجی اور جذباتی سرابوں کے پیچھے گزر جاتا ہے جنہیں ہم حقیقت سمجھ بیٹھتے ہیں۔ وجودی تناظر میں ان کے ہاں 'بے خبری' سے 'آگہی' تک کا سفر نہایت کٹھن ہے، کیونکہ یہ سفر اپنی ذات کے ان گوشوں کی دریافت ہے جو مروجہ معاشرتی سانچوں میں دب کر اپنی اصلیت کھو چکے تھے۔ ان کی شاعری اور نثر میں نفس کی یہ گہرائیاں اس

وقت نمایاں ہوتی ہیں جب وہ ماضی کے رومانوی خوابوں اور حال کی تلخ سچائیوں کا نفسیاتی تجزیہ کرتی ہیں۔ ان کے ہاں آگہی کوئی اچانک رونما ہونے والا واقعہ نہیں بلکہ تجربات کی بھٹی میں تپ کر حاصل ہونے والا وہ شعور ہے جو انسان کو اپنی ہستی کے ادھورے پن کا احساس دلاتا ہے۔

ان کے ہاں وجودی آگہی کا المیہ یہ ہے کہ جب انسان بیدار ہوتا ہے تو اسے اپنی ذات کی گمشدگی کا شدید احساس ستانے لگتا ہے۔ ادا جعفری نے اس نفسیاتی کیفیت کو ایک 'جادو کی نگری' سے تشبیہ دی ہے جہاں انسان دوسروں کی خواہشات اور سماجی تقاضوں کی تکمیل میں اپنا حقیقی وجود کہیں پیچھے چھوڑ آتا ہے۔ یہ خود فراموشی دراصل وہ قیمت ہے جو ایک عورت کو اپنی روایتی پہچان برقرار رکھنے کے لیے چکانی پڑتی ہے۔ جب شعور کی آنکھ کھلتی ہے تو وہ حیرت اور دکھ کی ایک ملی جلی کیفیت میں مبتلا ہو کر اپنے بکھرے ہوئے وجود کا ماتم کرتی ہے۔ یہ ادراک کہ جسے ہم زندگی سمجھ رہے تھے وہ محض ایک خوابناک سفر تھا، ان کی شاعری میں ایک گہری وجودی گونج پیدا کرتا ہے۔ ان کی یہ داخلی کشمکش درج ذیل اقتباس میں بخوبی دیکھی جاسکتی ہے:

زندگانی تھی کاکلِ برہم
آپ سلجھائی آپ الجھائی(8)

الجھنیں ہی الجھنیں ہیں زندگی میں ہر نفس
ہر نفس اس زلف کی ژولیدگی بڑھتی گئی(9)

نفسیاتی سطح پر ادا جعفری کی عورت تہوں میں چھپی ہوئی شخصیت کی مالک ہے۔ وہ ایک طرف تو اپنے ماضی کی مسرتوں اور جذباتی آسودگی کو یاد کرتی ہے اور دوسری طرف حال کے قید خانے اور 'غبارِ روز و شب' میں اپنی اسیری کا اعتراف بھی کرتی ہے۔ یہ اعتراف دراصل ان کی وجودی بصیرت کا حصہ ہے جو انہیں اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنی موجودہ حالت کا ادراک حاصل کر سکیں۔ ان کے ہاں آگہی کا مقصد محض روایتی

احتجاج نہیں بلکہ اپنی نفسیاتی پرتوں کو ادھیڑ کر ان کے پیچھے چھپی رائیگانی اور جبر کو سمجھنا ہے۔ وہ اس جال کی حقیقت کو پہچان لیتی ہیں جو زمانے نے ان کے گرد بُنا ہے، اور یہی پہچان ان کے فکری سفر کی سب سے بڑی معراج ہے۔ اس نفسیاتی ارتعاش اور اسیری کے احساس کو انھوں نے ان الفاظ میں قلمبند کیا ہے:

جب اُس کے ساتھ تھی
میں اِس وسیع کائنات میں
نفس نفس، قدم قدم
نظر نظر امیر تھی
اور اب غبارِ روز و شب کے
جال میں اسیر ہوں (10)

ادا جعفری کے ہاں وجودی آگہی ایک ایسا مسلسل عمل ہے جو انہیں اپنی ذات کے مبہم اور غیر واضح پہلوؤں سے روشناس کراتا ہے۔ ان کی خود نوشت اور شاعری کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایک باشعور عورت کے لیے 'بے خبری' کے خول سے نکلنا کتنا ضروری ہے، چاہے اس کی قیمت اسے وجودی تنہائی اور جذباتی کرب کی صورت میں ہی کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔ یہ نفسیاتی پرتیں اردو ادب میں ایک ایسی نسائی دانش کی ترجمان ہیں جو اپنی محرومیوں کو بھی شعور کے آئینے میں دیکھنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ ان کا فن دراصل اسی 'بے خبری' کو 'خبری' میں بدلنے کی وہ شعوری کوشش ہے جو انسانی وجود کو اپنی معنویت دریافت کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔

ادا جعفری کا شعری سفر اردو ادب میں فنی کمال اور فکری ہم آہنگی کی وہ داستان ہے جس نے کلاسیکی رچاؤ کو جدید تر حسیت (Modern Sensibility) سے ہمکنار کیا۔ ادبی نقاد اس بات پر متفق ہیں کہ ادا جعفری کی تخلیقی انفرادیت ان کے اسلوب کی اس گہرائی میں پوشیدہ ہے جہاں وہ روایت کے قدیم سانچوں کو توڑنے کے بجائے ان میں جدید شعور کی نئی روح پھونکتی ہیں۔ ان کے فنی ارتقاء کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ انھوں نے غزل کی مخصوص لفظیات کو نسائی تجربات کے نئے جہانوں سے روشناس کرایا، جس سے اردو شاعری میں عورت کا مفعولی تصور ایک فاعلی اور فکری وجود میں بدل گیا۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے ادا جعفری کے کلام میں موجود اس فکری سچائی، بے ساختگی اور نسائی وقار کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:

> "اس سے انکار نہیں کہ ادا جعفری نے ایک خاتون کی حیثیت سے انسانیت کے بعض ایسے نفسیاتی کوائف اور جذبوں کی ترجمانی بھی کی ہے جو کسی مرد شاعر سے ممکن نہ تھا لیکن وہ اسی دائرے میں گھر کر نہیں رہ گئیں۔ انہوں نے نسوانی فضا سے آگے بڑھ کر اور ذات کے حصار سے باہر نکل کر عام انسانی فضائے حیات اور مسائل کائنات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔"(11)

فنی اعتبار سے ادا جعفری کی شاعری محض الفاظ کا گورکھ دھندہ نہیں بلکہ ایک ایسی فکری دستاویز ہے جو بیسویں صدی کے بدلتے ہوئے سماجی و نفسیاتی منظرنامے کی عکاسی کرتی ہے۔ ان کے ہاں 'خاتونِ اول' کا منصب محض زمانی قدامت یا اولیت کی بنا پر نہیں بلکہ ان کے اس منفرد فنی لہجے کی مرہونِ منت ہے جس نے نسائی اظہار کو ایک نئی تمکنت اور تہذیبی سنجیدگی عطا کی۔ وہ ایک ایسے عہد کی نمائندہ بن کر ابھریں جہاں عورت نے روایتی عشوہ طرازیوں کے بجائے اپنی فکری شناخت اور داخلی سچائیوں کو فنی پختگی کے ساتھ

منوایا۔ نقادوں نے ان کے کلام میں روایت اور جدت کے اسی حسین امتزاج کو ان کی شاعرانہ عظمت کی بنیاد قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر وسیم بیگم نے ان کی فنی انفرادیت اور اسلوب کی دلآویزی کو ان الفاظ میں سمیٹا ہے:

"ادا جعفری نے غزل کی تخلیق میں جدید شاعری کی آمیزش کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اور کلاسیکی شاعری کی چاشنی کو بھی اس طرح ان کی شاعری جدید و قدیم کا سنگم کہی جا سکتی ہے۔"(12)

مختصر یہ کہ ادا جعفری کے کلام کا فنی ارتقاء اردو شاعری میں نسائی دانش کے تشخص کی تاریخ ہے۔ ان کی شاعری نے آنے والی نسلوں کے لیے وہ معیار مقرر کیے جہاں آرٹ اور نظریہ ایک دوسرے میں مدغم ہو کر ایک عالمگیر انسانی سچائی بن جاتے ہیں۔ نقادوں کے نزدیک ادا جعفری کا فن دراصل اسی روایت شکنی اور روایت سازی کا تسلسل ہے جس نے اردو نظم و غزل کو جدید دور کے پیچیدہ جذباتی اور فکری تقاضوں سے ہم آہنگ کیا۔ ان کے کلام کی ہمہ گیری آج بھی اسے ادبی و تنقیدی مباحث کا ایک ناگزیر حصہ بناتی ہے، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی آواز اپنے عہد سے کہیں آگے کی بصیرت رکھتی تھی۔

اس تحقیقی مطالعے کا نچوڑ یہ ہے کہ ادا جعفری کا فن اردو شاعری کی تاریخ میں ایک ایسے تخلیقی موڑ کی حیثیت رکھتا ہے جہاں کلاسیکی روایت کی شائستگی اور جدید عہد کی فکری بیداری ایک دوسرے میں پیوست نظر آتی ہیں۔ انھوں نے غزل کی قدیم لفظیات اور مشرقی آدابِ سخن کا دامن ہاتھ سے چھوڑے بغیر عورت کی داخلی کائنات کے ان پوشیدہ گوشوں کو زبان دی جنھیں صدیوں سے "مصلحت" کا عنوان دے کر خاموش رکھا گیا تھا۔ ادا جعفری نے ثابت کیا کہ ایک فنکار اپنی تہذیبی جڑوں اور اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے بھی کس طرح اپنی انفرادی آزادی اور خود شناسی کا اظہار کر سکتا ہے۔ ان کا "شہر درد" محض ایک جذباتی تجربہ نہیں بلکہ ایک ایسی فکری بصیرت کا عکاس ہے جس میں دکھ شخصیت کی تعمیر اور وجودی آگہی کا

ذریعہ بنتا ہے۔ ان کی شاعری اردو ادب میں اس "خاموش انقلاب" کی دستاویزی گواہی ہے جس نے نسائی آواز کو ایک نئی تمکنت اور سماجی اعتبار عطا کیا۔

تحقیق کے نتائج سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ادا جعفری نے اردو شاعری میں عورت کے تصور کو مفعولی حالت (Objectivity) سے نکال کر فاعلی مرتبے (Subjectivity) پر فائز کیا۔ پہلا نتیجہ یہ کہ وہ محض زمانی قدامت کی بنا پر "خاتونِ اول" نہیں بلکہ اپنے اس منفرد فنی لہجے کی بدولت ممتاز ہیں جس نے نسائی اظہار کو ایک نئی اخلاقی بنیاد فراہم کی۔ دوسرا نتیجہ یہ کہ ان کے ہاں خوابوں کی شکست پر احتجاج نعرہ بازی کے بجائے ایک "باوقار صبوری" کی شکل میں ابھرا، جو جدید نسائی شعور کی پختگی کا مظہر ہے۔ تیسرا اہم نتیجہ یہ ہے کہ ان کی خود نوشت "جو رہی سو بے خبری رہی" اور ان کا کلام مل کر ایک ایسی نفسیاتی پرت کشائی کرتے ہیں جہاں عورت اپنی ذات کی گمشدگی کا ادراک حاصل کر کے اپنی شناخت کی بازیافت کرتی ہے۔ الغرض، ادا جعفری کی شاعری روایت اور جدیدیت کا ایک ایسا پائیدار سنگم ہے جس نے اردو کے شعری منظر نامے کو نئی وسعتوں اور جذباتی گہرائی سے ہمکنار کیا ہے۔

سفارشات

* ادا جعفری کی نظموں اور ان کی خود نوشت "جو رہی سو بے خبری رہی" کے منتخب حصوں کو جامعات کے اردو نصاب میں لازمی طور پر شامل کیا جائے تا کہ طلبہ ان کے ارتقائی فکری سفر سے واقف ہو سکیں۔
* ان کے شعری مجموعوں، بالخصوص "شہر درد" اور "حرفِ شناسائی" کا انگریزی اور دیگر بین الاقوامی زبانوں میں ترجمہ کیا جائے تا کہ عالمی ادب میں پاکستانی نسائی دانش کی صحیح نمائندگی ہو سکے۔

* ادا جعفری اور ان کی ہم عصر عالمی شاعرات کے کلام کا تقابلی مطالعہ کرایا جائے تاکہ ان کی آفاقی فکری جہتوں کو اجاگر کیا جا سکے۔

* ادا جعفری کی شاعری میں موجود وجودی آگہی اور نفسیاتی پرتوں پر علیحدہ سے تحقیقی مقالات قلمبند کرائے جائیں تاکہ ان کے کلام کی باطنی گہرائی واضح ہو سکے۔

* ادبی اداروں کے تحت ادا جعفری کی فنی خدمات پر باقاعدگی سے سیمینارز منعقد کیے جائیں جن میں خاص طور پر ان کے اسلوب میں موجود "تہذیبی شائستگی" اور "جدید حسیت" کے ملاپ کو موضوعِ بحث بنایا جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1. ڈاکٹر ثمینہ تابش، ادا جعفری: اردو شاعری کی خاتونِ اول، مشمولہ: ایوانِ اردو، دہلی، شمارہ 5، ستمبر 2022ء، ص 30
2. ادا جعفری، غزالاں تم تو واقف ہو، غالب پبلشرز، لاہور، 1982ء، ص 31
3. ادا جعفری، حرفِ شناسائی، مکتبہ دانیال، کراچی، 1999ء، ص 64
4. ادا جعفری، غزالاں تم تو واقف ہو، غالب پبلشرز، لاہور، 1982ء، ص 93
5. ایضاً، ص 93
6. ایضاً، ص 146
7. ایضاً، ص 94
8. ادا جعفری، موسم موسم (کلیات)، اکادمی بازیافت، کراچی، 2002ء، ص 126

9. ایضاً، ص 221

10. ادا جعفری، حرفِ شناسائی، مکتبہ دانیال، کراچی، 1999ء، ص 25

11. ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ادا جعفری؛ آج کی شاعری کا ایک معتبر نام، مشمولہ: نقوش، مدیر: جاوید طفیل، شمارہ 134، دسمبر 1986ء، ص 173

12. ڈاکٹر وسیم بیگم، آزادی کے بعد اردو غزل، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، 2009ء، ص 346

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Roman Havalajat

1. Dr. Sameena Tabish, “Ada Jafri; Urdu Sha‘iri ki Khatun-e-Awwal”, Mashmoola: Aiwan-e-Urdu, Delhi, Shumara 5, September 2022, p 30
2. Ada Jafri, Ghazalan Tum To Waqif Ho, Ghalib Publishers, Lahore, 1982, p 31
3. Ada Jafri, Harf-e-Shanasa’i, Maktaba Daniyal, Karachi, 1999, p 64
4. Ada Jafri, Ghazalan Tum To Waqif Ho, Ghalib Publishers, Lahore, 1982, p 93
5. Aizan, p 93
6. Aizan, p 146
7. Aizan, p 94
8. Ada Jafri, Mausam Mausam (Kulliyat), Academy Bazyaft, Karachi, 2002, p 126
9. Aizan, p 221
10. Ada Jafri, Harf-e-Shanasa’i, Maktaba Daniyal, Karachi, 1999, p 25
11. Dr. Farman Fatehpuri, “Ada Jafri; Aaj ki Sha‘iri ka Aik Mo‘tabar Naam”, Mashmoola: Naqoosh, Mudir: Javed Tufail, Shumara 134, December 1986, p 173
12. Dr. Waseem Begum, Azadi ke Baad Urdu Ghazal, Educational Publishing House, Delhi, 2009, p 346